جناب احمد دین حداد، اٹک

اکیسویں صدی میں امت مسلمہ کیلئے شرح خواندگی اور جدید علوم کی اہمیت

خواندگی کی تعریف کے مطابق ہر وہ فرد جو معمولی پڑھنا لکھنا جانتا ہو خواندہ ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق پاکستان کی ستر فیصد 70% آبادی اس تعریف پر پوری نہیں اترتی۔

پاکستان دنیا کے 160 ممالک میں تعلیمی پسماندگی میں ننانویں نمبر پر ہے۔ جبکہ اسی خطے میں موجود چند دیگر ممالک بھارت، سری لنکا اور بنگلہ دیش پاکستان سے کہیں بہتر ہیں۔ بالخصوص چائنا نے تو نصف صدی میں حیرت انگیز ترقی کر کے دنیا کی چند بڑی طاقتوں میں اپنی جگہ مستحکم کرلی ہے۔ ایک تجزیے کے مطابق دنیا میں صرف ان ممالک نے مادی ترقی کی ہے کہ جہاں اعلیٰ تعلیم کے لئے یونیورسٹیوں کے ساتھ ساتھ بنیادی وابتدائی تعلیم پر خصوصی توجہ دینے کی وجہ سے شرح خواندگی کا معیار بھی بہتر ہے۔ اس لئے سائنس و ٹیکنالوجی اور جدید علوم میں ترقی کے خواہاں ممالک کو پہلے اپنی شرح خواندگی کو بہتر بنانے اور افراد و معاشرہ میں سائنسی و تعلیمی شعور بیدار کرنے کے لئے اقدامات کرنے چاہئیں۔ تاکہ بعد میں یونیورسٹیوں اور ٹیکنیکل اداروں کے لئے ایک مناسب کھیپ میسر آسکے۔ گویا شرح خواندگی اور اعلیٰ جدید علوم کا باہمی تعلق کافی اہمیت کا حامل اور لازم و ملزوم ہے۔ فی الوقت پاکستان اور تمام عالم اسلام میں جدید سائنسی و تکنیکی میدانوں میں کوئی منظم پیش رفت نہیں ہورہی کہ جس کی وجہ سے آئندہ صدی میں عالم اسلام کا عصری میدانوں میں کوئی مقام تلاش کیا جاسکے۔

جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے تو یہ ملک دنیا کی پہلی اسلامی جوہری قوت ہونے کے باوجود تاحال اپنی آزادی اور خود مختاری میں دوسروں کا دست نگر ہے۔ جس کا اہم ترین سبب اس ملک کا 60 ارب ڈالر کا مقروض ہونا ہے۔ حالانکہ پاکستان قدرتی وسائل سے مالا مال اور زرعی لحاظ سے زرخیز ملک ہے۔ اسی طرح عالم اسلام دنیا کی 6 ارب آبادی کا ایک چوتھائی ہے اور تقریباً 160 ممالک میں سے 60 ممالک اور ریاستوں میں مسلمانوں کی مکمل اکثریت ہے۔ جبکہ پوری دنیا میں پائی جانے والی معدنی دولت اور تیل کے 70 % ذخائر بھی مسلم ممالک میں ہیں لیکن اللہ کے ان بیشمار احسانات کے باوجود یورپ، ایشیا اور افریقہ کے

مختلف کونوں میں اسلام کا نام کے ہی مظلوم و مقہور ہیں۔

آج اسلامی ممالک کے سربراہان اتنے بے بس اور مجبور ہیں کہ O.I.C کے پلیٹ فارم سے خون مسلم کی ارزانی و روانی پر آواز تک بلند نہیں کر سکتے۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ یہود و ہنود اور صلیب کی تکون نے اس حد تک ہمارا ستیاناس کر دیا ہے کہ ہم بے بسی کی موت مرتے ہوئے بے بسی کی آواز تک بھی نہیں نکال سکتے۔

اسکا مختصر جواب یہ ہے کہ خاص طور پر یہودیت اور عیسائیت نے اپنی سائنس و ٹیکنالوجی اور عصری ترقی کے بل بوتے پر ہمارے وسائل اور اقتصادیات کو اپنے قبضہ میں لے لیا ہے۔ اور ہم اللہ کی طرف سے عطا کردہ نعمتوں اور وسائل پر حد درجہ قانع اور کاہل بن کر خواب خرگوش کے مزے لوٹتے رہے۔ ہم نے ان وسائل کو اپنی افرادی قوت سے مخلوقِ خدا کے فائدے کیلئے استعمال کرنے اور ترقی دینے کا نہ سوچا۔ ہم نے روحانی و مادی دونوں میدانوں میں اسلام کے مزاج ترقی کو نہ اپنایا اور ہم نے اپنے آباؤ اجداد سے روحانی قطع تعلقی کیساتھ ساتھ عصری و مادی میدان میں بھی ان کے کارناموں سے استفادہ نہ کیا۔

آج ہماری تعلیم جو ہمیں اپنے اسلاف سے میسر آئی تھی۔ دو مختلف بلکہ بالمقابل نظاموں میں بٹ چکی ہے۔ دینی مدارس اور سائنسی و فنی تعلیم کے اداروں میں بعد اور فاصلہ بڑھتا چلا جا رہا ہے اور اسلام دشمنوں کی خواہشوں اور سازشوں کے عین مطابق اسلامی ممالک میں "بنیاد پرست" اور "ترقی پرست" قسم کے دو گروہ پیدا ہو رہے ہیں بلکہ پیدا کیے جا رہے ہیں۔ حالانکہ اسلام ایک دین فطرت اور ترقی پسند مذہب ہے جو ارتقاء و ترقی کا مخالف ہرگز نہیں۔

ضرورت اس بات کی ہے کہ ہم موجودہ صیہونی و سامراجی اور استعماری و ابلیسی منفی پراپیگنڈے کا ہر محاذ پر مقابلہ کرتے ہوئے اس کا توڑ تلاش کریں۔ جسکی ایک صورت یہ ہے کہ قرآن و حدیث کے علوم کی بالادستی برقرار رکھتے ہوئے انکی روشنی میں سیاسیات، معاشیات، سماجیات اور سائنسی و فنی علوم کو نئی نسل تک منتقل کرنے کیلئے اپنا کردار ادا کریں۔ تاکہ دین اسلام کی تمام شعبہ ہائے حیات میں بطور رہنما اور نظام کے اہمیت واضح ہو سکے۔

صرف اسی صورت میں اکیسویں صدی عالم اسلام کے غلبہ کی صدی قرار پا سکتی ہے۔ کیونکہ جب ہم سابقہ انسانی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں انسانی عروج و زوال اور قوموں کی ترقی و تنزلی میں عصری تقاضوں اور علوم کی اہمیت و افادیت واضح طور پر نظر آتی ہے حتیٰ کہ دین اسلام کے دور جاہلیت پر غلبے میں بھی ایک اہم ترین سبب یہ تھا کہ اسلام زمانہ جاہلیت کے دیگر فرسودہ اور تنگ نظر مذاہب کے

برعکس اپنے اندر ایک کشادگی اور روشنی لئے ہوئے تھا جس کی بدولت اسے دیگر مذاہب میں انفرادیت ملی اور عالمگیر غلبہ نصیب ہوا۔ لیکن بعد میں قرون وسطیٰ کے اسلامی ترقی یافتہ دور کے بعد مسلمانوں کی کاہلی اور غفلت نے انہیں پھر غیروں کی طرف دیکھنے پر مجبور کر دیا۔

اب ہم مذکورہ بالا نقطۂ نظر کو تاریخی حقائق کے آئینے میں پرکھتے ہیں تاکہ ہم اپنے درخشاں ماضی کی ضوفشانیوں سے اپنے مستقبل کو تابناک بنا سکیں۔

یہ تو آپ جانتے ہیں کہ اسلام دین فطرت ہے اور کائنات میں غور و فکر کی دعوت دیتا ہے جبکہ سائنس سادہ الفاظ میں مطالعہء فطرت کا نام ہے۔ اگرچہ جب سے پہلا انسان پیدا ہوا ہے اس وقت سے یہ کائنات اسکے سامنے ہے لیکن سائنس نے جو ترقی پچھلے چودہ برس میں کی وہ ترقی اس سے پہلے لاکھوں برسوں میں نہ ہو سکی تھی۔ اسکا جواب یہ ہے کہ یہ بات درست نہیں کہ اس سے پہلے انسان نے ترقی کی ہی نہیں البتہ یہ ہے کہ اسکی ترقی کی رفتار اب کی نسبت کافی سست تھی جبکہ دوسری وجہ یہ ہے کہ قدیم ترین زمانے میں ترقی اور خاطر خواہ سائنسی تحقیقات نہ ہونے میں شرک کو توہم پرستی کا کردار اور عمل دخل رہا ہے۔

شرک وہ بیماری ہے جو انسان کو مظاہر فطرت میں فکر و تدبر کی بجائے اس سے مرعوب کرتی ہے۔ جسکا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسانی زندگی میں کسی قسم کی ترقی اور بہتری کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگرچہ حضورؐ کی بعثت سے پہلے بھی انبیاؑ آتے رہے ہیں اور انسانوں کا اپنے خالق حقیقی کیساتھ رشتہ اس وقت بھی برقرار تھا لیکن اسوقت پیغمبروں کے بعد انکی قومیں اصل الہامی ہدایات میں ردوبدل کر دیتی تھیں جس سے اصل احکام کی صورت مسخ ہو جاتی تھی۔ جبکہ آخری الہامی کتاب قرآن مجید کی یہ انفرادیت ہے کہ اسکی حفاظت کا ذمہ خود اللہ نے اٹھایا ہے اور یہ تاقیامت محفوظ و مامون رہے گی۔ گویا شریعت محمدیؐ سے پہلے الہامی احکام میں تغیر و تبدل سے انسان فطرت کا مطالعہ کرنے کی بجائے اسے ہی خدا سمجھ بیٹھتا تھا۔

حضورؐ کی بعثت عظمیٰ سے شرک کا علاج خالص پیغام توحید سے ہوا اور اس عقیدے نے پھر سے انسان کو یہ باور کرایا کہ مظاہر فطرت خالق و مالک نہیں بلکہ مخلوق و مملوک ہیں جبکہ انسان اللہ کی تمام مخلوقات میں اشرف و افضل ہے اور یہ فطرتی مظاہر اور حسن و خوبصورتی خالق حقیقی تک انسان کی رسائی کا ذریعہ ہیں۔ یوں نظریہ توحید کی بنیاد پر انسانی معاشرے میں وسیع تر انقلاب بپا ہوا اور بنی نوع انسان کی ترقی کے نئے دروازے کھلے۔ اسلام کا تمام انسانیت پر یہ بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے شرک کے ایوانوں کو زیروزبر کر کے مظاہر فطرت اور کائنات میں فکر و تدبر کی دعوت دیکر سائنسی طرز فکر کی بنیاد ڈالی اور یوں سائنسی ترقی کا عظیم دور شروع ہوتا ہے۔

مسلمانوں نے ابتدائی دور میں سائنس کے میدان میں جو ترقیاں کی تھیں اسکا پہلا سب سے بڑا

فائدہ انکو دو سو سالہ صلیبی جنگوں (1095-1270) میں ہوا۔ ان جنگوں میں تقریباً سارا یورپ متحدہ طاقت سے مسلم دینا پر حملہ آور ہوا تاکہ اپنے مقدس مقامات کو مسلمانوں کے قبضہ سے واپس لے مگر انہیں کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ ان مہموں میں کروڑوں جانیں اور بے پناہ دولت قربان کی گئی اور جب یہ ختم ہوا تو یروشلم بدستور بے دینوں کے قبضہ میں تھا اگرچہ صلیبی جنگوں کا خاتمہ مسلمانوں کی کامل فتح اور مسیحی یورپ کی کامل شکست پر ہوا۔ (۱)

حقیقت میں صلیبی جنگوں میں شکست نے مسیحی یورپ کو متحرک کرنے میں اہم کردار ادا کیا۔ جبکہ مسلمان ان فتوحات پر قانع ہو کر خواب غفلت میں پڑ گئے۔ یہاں مسلمانوں کے علمی و سائنسی کام اور کارناموں پر جمود طاری ہو گیا اور یورپ نے مسلمانوں کے ہی علمی ذخیروں سے فیض یاب ہو کر ترقی کے لئے اپنی راہیں متعین کیں۔ یورپ کی جدید علوم پر تحقیق و ترقی کا یہ سفر صلیبی جنگوں کے بعد سے لے کر اب تک جاری ہے یہاں تک کہ آج ہم عصری ترقی میں ان سے کہیں زیادہ پیچھے جامد و ساکت پڑے ہیں۔

اب انیسویں صدی کا یورپ اور امریکہ اپنی سائنسی و فنی ترقی کے سبب دنیا کی معیشت پر اجارہ داری کر رہے ہیں اور دنیا کے اکثر حصے پر بالواسطہ یا بلاواسطہ قابض ہو کر اپنی من مانی اور غنڈہ گردی کر رہے ہیں۔ عصری و جدید علوم و فنون میں ترقی یافتہ چند ممالک نے تیسری دنیا خصوصاً عالم اسلام کے بے پناہ وسائل پر قبضہ کیا ہوا ہے اور ہم اپنا سب کچھ لٹتے اور برباد ہوتے دیکھ کر بھی خواب غفلت کی چادر تانے ہوئے ہیں۔ اگر بارہویں صدی کے یورپ نے اپنے فاتح دشمن (مسلمانوں) کے عصری علوم اور تحقیقات سے فائدہ اٹھانے میں عار محسوس نہیں کی۔ تو ہم انیسویں صدی کے یورپ سے اپنے علمی و تحقیقی ورثے کی بازیابی میں کیوں شرم محسوس کرتے ہیں؟

جدید سائنسی علوم اور ترقی تو دراصل امت مسلمہ کا گمشدہ ورثہ ہیں جو ہمارے آفاقی دین کے تصور توحید کے طفیل دینا کو میسر آئے ہیں اور جن کی داغ بیل ہمارے ہی آباؤ اجداد نے ڈالی ہے مگر افسوس کہ آج ہماری میراث پر غیروں کی اجارہ داری قائم ہے۔ بقول اقبال ؎

وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آباء کی جو دیکھیں انکو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارہ

یورپ کا موجودہ تسلط اور غلبہ صرف اسی وجہ سے ہے کہ انہوں نے صلیبی جنگوں میں شکست کے بعد اپنے روایتی و کلیسائی جمود کو توڑ کر مسلمانوں کے عصری علوم اور تحقیق و ترقی کے مزاج کو اپنایا۔

آیئے چلتے چلتے ایک مختصر نظر قرون وسطیٰ کے ان مسلمان سائنسدانوں کے چند اہم کارناموں پر بھی ڈال لیں جن کی بدولت غیروں نے عروج حاصل کیا۔ شاید اس سے ہمیں اپنی عظمت رفتہ کی بحالی کا احساس ہو جائے۔ مسلم سائنسدانوں میں محمد زکریا رازی کو نمایاں مقام حاصل ہے یہ ۸۶۵ء میں ایران

کے دار لحکومت تہران کے ایک گاؤں میں پیدا ہوئے اور ساٹھ سال کی عمر (۹۲۵ء) میں فوت ہوئے۔ ان کی سب سے اہم خوبی یہ ہے کہ انہوں نے یونانی علوم کو ہو بہو نقل کرنے کی بجائے اپنے تجربات اور مشاہدات کی بناء پر پرکھا۔ اور سائنسی طرز فکر کو فروغ دیا۔ جراحی کا طریقہ سب سے پہلے الرازی نے ایجاد کیا۔ اسکے علاوہ انہوں نے ۱۱۳ بڑی اور ۲۸ چھوٹی کتابیں بھی تصنیف کیں۔ الرازی کی علم کیمیا پر مشہور تصنیف "کتاب الاسرار" کافی عرصہ تک یورپی اداروں میں شامل نصاب رہی۔ انکی دیگر مشہور تصانیف میں "الحاوی" "کتاب المنصوری اور ایک رسالہ ہے ان کتابوں کے وقتاً فوقتاً جرمنی، فرانسیسی اور لاطینی زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں۔ (۲)

ابن سینا کو رازی کے بعد اپنے علم و فن میں نمایاں شہرت ملی۔ ان کا اصل نام ابو علی الحسن ہے اور ۹۸۰ء میں بخارا میں پیدا ہوئے۔ یہ نہ صرف طب کے ماہر تھے بلکہ فلسفے، شاعری، اور علم کلام میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔ ان کی کثیر تصانیف میں سے دو کتابیں کتاب الشفا اور القانون فی الطب بہت زیادہ مقبول ہوئیں۔ القانون فی الطب کے منظر عام پر آنے کے بعد یونانی طبیبوں بقراط، افلاطون، جالینوس اور ارسطو کی کتابوں کی اہمیت ختم ہو کر رہ گئی۔ جبکہ انکی ایک اور کتاب مخزن الادویہ کو مغربی ممالک میں طبی انجیل کا درجہ حاصل ہے۔ (۳)

جابر بن حیان مشہور و معروف کیمادان ۷۲۱ء میں کوفہ میں پیدا ہوئے۔ اس زمانے میں علم کیمیا کی نوعیت عجیب تھی۔ کیمیادان تین اقسام کے ہوتے تھے ایک وہ جو کشتہ جات اور جڑی بوٹیوں کی تحقیق سے انسان کی صحت اور درازئی عمر کی جستجو کرتے تھے، دوسرے صرف تانبے، چاندی اور پارے سے سونا بنانے میں مگن رہتے تھے اور تیسرے علم کیمیا کا مطالعہ علم فلسفہ کے طور پر کرتے تھے۔ جبکہ جابر بن حیان نے علم کیمیا کا ایک جامع اور سائنسی نظریہ پیش کیا اس کے نظریات آج کے ایٹمی نظریات کے بہت قریب قریب نظر آتے ہیں۔ یورپ میں تحریک احیائے علوم شروع ہونے پر جابر بن حیان کو علم کیمیا میں بلند مقام دیا گیا۔ (۴) اسی طرح علم نباتات و زراعت کے میدان میں بارہویں صدی کے اواخر میں اشبیلیہ کے مقام پر ابو زکریا ابن محمد نے علم زراعت کی تحقیق کا کام کیا۔ انکی جمع کی ہوئی معلومات اور انکی کتاب "الفلاحہ" سے یورپی اقوام نے استفادہ کر کے اپنی زراعت کو سائنسی اصولوں پر ڈھالا۔ (۵)

ابن البیطار جن کا اصل نام عبداللہ ہے اندلس کے شہر ملاغہ میں پیدا ہوئے انکی تاریخ پیدائش ۱۱۸۲ء ملتی ہے۔ انہوں نے شمالی افریقہ میں مصر، ایشائے کوچک اور سارے شام کی سیاحت کر کے یہاں کے جنگلات میں پائی جانے والی نباتات پر مشاہدات کر کے تحقیق کی۔ انکی دو کتابوں "المعنی فی الادویۃ المفردہ" اور "الجامع فی الادویۃ المفردہ" میں علاج کا طریقہ اکثر نباتات، معدنیات اور جانوروں

کی پیداوار پر مشتمل ہے۔ان کتابوں کا ترجمہ جرمن، انگریزی اور لاطینی زبانوں میں ہو چکا ہے۔(۶)

بارہویں صدی عیسوی میں الہیثم نامی مسلمان سائنسدان نے روشنی کے اصولوں پر تحقیق کر کے ایک جامع کتاب المناظر لکھی جس میں نہ صرف تمام اصول بلکہ کروی آئینوں اور عدسوں کے اصولوں کے الجبرے کو ایسی دقیق مساوات کے ذریعے ظاہر کیا گیا ہے کہ یورپی آج تک ان چیزوں کو سمجھنے سے قاصر ہیں لیکن متعصب انگریزوں نے ان اصولوں کو نیوٹن اور سینل کے نام سے منسوب کیا ہے۔ حالانکہ الہیثم کا لکھا ہوا مسودہ آج بھی پیرس کے عجائب گھر میں موجود ہے۔ جسکے نصف حصے کا ترجمہ انگریزی یا فرانسیسی زبان میں نہیں ہو سکا جبکہ 'المناظر' کے نصف کا ترجمہ یورپ کی اکثر یونیورسٹیوں میں اضافی شکل میں پڑھایا جاتا ہے۔ یہاں بھی انگریزوں کے تعصب کی حد دیکھیں کہ مترجم کتابوں میں الہیثم کے نام کو بگاڑ کر ''ہیزن'' رکھا گیا ہے تاکہ یورپی طالب علم اس سائنسدان کو انگریز سمجھتے رہیں۔(۷)

یہ تو رہیں ماضی کی داستانیں موجودہ دور میں بھی فرانس کے ایٹمی پروگرام کا بانی ایک مسلمان سائنسدان ہے۔ جبکہ بھارت کے ایٹمی پروگرام کا بانی بھی ایک مسلمان سائنسدان عبدالکلام ہے۔ خود پاکستان میں مسلمان سائنسدانوں کی ایٹمی اور دیگر شعبوں میں خدمات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں۔ آج فرانس، برطانیہ اور امریکہ کی سائنسی و تحقیقی تجربہ گاہوں میں کئی مسلمان کام کر رہے ہیں۔اس لئے امت مسلمہ کو احساس کمتری میں مبتلا ہونے کی چنداں ضروت نہیں۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ امت مسلمہ کے نوجوانوں کا شعور بیدار کیا جائے اور سائنسی طرز فکر کو عام کیا جائے اس مقصد کے حصول کیلئے ہمیں مسلمانوں کی سائنسی و فنی، معاشی و اقتصادی، سیاسی و سماجی اور علمی و تحقیقی کاوشوں کو اجاگر کرنا ہوگا۔ تاکہ امت مسلمہ غیروں سے اپنی میراث کو بازیاب کرا سکے۔ کیونکہ حکمت مومن کی گمشدہ میراث ہے۔

اکیسویں صدی کو عالم اسلام کی صدی بنانے کیلئے ہمیں قرآن و سنت کو انفرادی و اجتماعی سطح پر اپنانا ہوگا۔اور مادی میدانوں میں بھی ان آفاقی تعلیمات سے رہنمائی اور اسلاف کے کارناموں سے استفادہ کرنا ہوگا۔ تاکہ کفر کی موجودہ الحاوی یلغار کا مقابلہ کیا جا سکے۔ جدید علوم اور سائنسی و صنعتی ترقی کے حوالے سے مفکر اسلام و مورخ اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ فرماتے ہیں۔ ''یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ ایک بدعت کی جارہی ہے میں اپنی دینی اصطلاح میں بول رہا ہوں کہ بہت سے لوگوں کو اس بدعت سے روکا جائے۔ یہ بدعت نہیں ہے بلکہ میں سمجھتا ہوں کہ یہ مسلمانوں کی ایک قدیم سنت کا احیا ہے اور اسکو زندہ کیا جائے مسلمانوں کو اسکی بڑی ضرورت ہے اور مسلمان ان میدانوں میں بہت سی قوموں سے آگے رہے ہیں'' (۸)

ہمارا آج کا سب سے بڑا مسئلہ بلکہ فکری بحران یہ ہے کہ ہم نے دین اور دنیا کو دو علیحدہ خانوں

میں تقسیم کر دیا ہے۔ آج چند مذہبی عبادات کو مکمل دین سمجھ لیا گیا ہے جبکہ دین اسلام بطور ایک مکمل "ضابطہ حیات" کے ہمارے یہاں سے ناپید ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہمارے ملک میں مذہبی و جدید علوم کی علیحدہ علیحدہ درسگاہیں اور ادارے قائم ہیں اور اسی تقسیم سے ہمارے یہاں دو متضاد طبقات پیدا ہو رہے ہیں۔ ہمیں امتِ مسلمہ کی ترقی اور فلاح کیلئے اس تقسیم اور ان طبقات میں موجود باہمی فرق کو کم کرنا ہوگا تاکہ دیگر مذاہب کی قوموں پر اسلام کی حقانیت واضح ہو سکے۔ آج جس طرح مذہبی علوم کے حامل افراد جدید علوم کی نفی کر رہے ہیں اور جدید اہل علم قدیم علوم کی مخالفت کر رہے ہیں اس منفی سوچ نے علوم کی ان دو شاخوں کو ایک دوسرے کے مقابل لا کھڑا کیا ہے۔ حالانکہ "علمائے قدیم نے تمام علوم کو سمیٹ کر دونوں میں بانٹ دیا ہے ایک کو وہ منقول کہتے ہیں جسکا تعلق تاریخی شعور سے ہے۔ دوسرے کو معقول کہا جاتا ہے جس کی بنیاد عقلیت پسندی پر ہے۔ مشہور مقولہ ہے " العلم علمان علم الادیان وعلم الابدان " یعنی علم کی دو قسمیں ہیں (Physics) اور (Metaphysics) ان میں سے کسی کو کمتر بتایا گیا ہے نہ ایک کو دوسرے پر ترجیح دی ہے۔ لیکن اسلامی سائنٹیفک نظریہ یہی ہے کہ ان دونوں شاخوں کو ایک وحدت کے روپ میں دیکھا جائے نہ یہ کہ انکو ایک دوسرے سے بیگانہ سمجھا جائے اور نہ ان میں سے کسی کی نفی کی جائے۔"(۹)

عیسائیت نے سائنس کی مخالفت اس لیے تھی کہ وہ اسلام کی طرح حکمت تکوینی میں غور و فکر کی داعی نہیں کیونکہ اسکی بنیاد عقلیت پسندی پر نہیں تھی اسلئے اسے سائنس سے شکستیں ہوئیں اسلام نے کبھی عقلیت کی نفی نہیں کی بلکہ طبیعیات اور مابعد الطبیعیات کے رشتے کو جوڑے رکھا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام دیگر مذاہب کے برعکس ہر شعبہ ہائے زندگی کیلئے پسندیدہ اور قابل عمل دین ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ابوالبشر حضرتِ آدم علیہ السلام کو زمین پر خلیفہ بنا کر بھیجا اور خلافت ارض کا منصب سنبھالنے کیلئے آپکو علم الارشاد سے نوازا جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے : وعلم ادم الاسماء کلّھاo (بقرہ : ۳۰)

مفسرین نے تصریح کی ہے کہ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو دنیا بھر کی تمام چیزوں کے نام ہی نہیں بلکہ ان کے خواص و تاثیرات اور دینی و دنیوی منافع بھی بتا دیئے تھے کیونکہ زمین کی خلافت کیلئے زمینی اشیاء سے واقفیت ضروری تھی تاکہ ہر چیز کا صحیح تعارف حاصل کر کے اس کا صحیح استعمال ہو سکے۔ اب ترقی یافتہ دنیا سائنس و ٹیکنالوجی میں اس قدر آگے جا چکی ہے کہ جس کا تصور صرف ایک سو سال پہلے تک محال تھا اور ارتقاء و ترقی کا یہ سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ شب و روز نت نئی ایجادات کے لئے کوششیں کی جا رہی ہیں۔ اور دستیاب وسائل کو بروئے کار لایا جا رہا ہے۔

تیسری دنیا اور مسلم ممالک کے لئے موجودہ گھمبیر حالات میں جب استحصالی طاقتوں کی طرف

سے ہر سو گلوبل ولیج، نیو ورلڈ آرڈر اور فری اکانومی جیسی آوازیں سنائی دے رہی ہیں دور اندیشی سے کام لینا از حد ضروری ہو گیا ہے۔ ہمیں ابھی سے مستقبل قریب میں پیش آنے والے حالات و مسائل کا ادارک کرنا ہوگا اگر امت مسلمہ الہی معاشی و عسکری خود کفالت اور آزادی چاہتی ہے تو اسے اپنے وسائل کے بہتر استعمال اور نفع بخشی کیلئے اپنے ہاں جدید علوم و فنون کو رائج کرنا ہوگا ورنہ اس اقدام کے بغیر آج کی جدید دنیا پر غلبہ واستحکام کا خواب شرمندۂ تعبیر نہیں کیا جا سکتا۔

اگر آج امت مسلمہ میں یہ فکر عام ہو جائے کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کیلئے جدید علوم کو مادیت پرستی اور خود غرضی و لالچ کے لبادے سے نکال کر تمام بنی نوع انسان کے فائدے کے لئے کام میں لانا ہے۔ تو پھر غلبۂ اسلام اور خلافت ارض کی منزل زیادہ دور نہیں کیونکہ ہمارے پاس وہ ایمانی قوت اور تائید ایزدی ہے جو آج کے ترقی یافتہ ممالک اور طاقتوں کے پاس نہیں۔ ضرورت صرف اس امر کی ہے کہ امت مسلمہ ایمانی قوت کے ساتھ مادی قوت بھی حاصل کرے ورنہ آئندہ صدی میں نیو ورلڈ آرڈر اور فری اکانومی سسٹم تیسری دنیا اور عالم اسلام کو اپنے استحصالی و توسیع پسندانہ ریلے میں بہالے جائیں گے۔

محترم قارئین! اسلام ہی وہ دین ہے جو سائنس و دیگر جدید علوم کو ایک اعلیٰ وارفع مقصد و غایت دے سکتا ہے اور مسلمان ہی وہ رجال کار ہے جو اسے اصلاح فی الارض کا وسیلہ بنا سکتا ہے۔ اسکے لئے علم الادیان کیساتھ علم الابدان سے بھی تعلق جوڑا جائے تاکہ سائنس کو اپنی گمر کردہ راہ میسر آسکے۔ اور دنیا کی ایجادات و اختراعات کو بامقصد بنایا جا سکے۔ اسلام اور سائنس کی ترکیب و امتزاج سے دنیا کو توحید کا ایک سائنسی تصور مل سکتا ہے اور آخرت کا بھی اس طرح سائنس کی زندگی بھی طویل ہوگی۔ اور اس سے صالح انسانوں کا وہ طبقہ پیدا ہوگا جسے زمین کا وارث کہا گیا ہے۔ آیئے اس مقصد کو حاصل کرنے کیلئے ابھی سے سر جوڑ کر بیٹھیں اور غلبہ اسلام کے تمام لوازمات کو مد نظر رکھتے ہوئے عملی جدوجہد شروع کر دیں پھر دیکھیں کہ نصرت خداوندی کیسے ہمارے قدم چومتی ہیں۔

حوالہ جات

(۱) سائنس کا خالق اسلام (مولانا وحید الدین خان) ماہنامہ انجمن کراچی۔ اگست ۱۹۸۹ء

(۲) مسلم فلاسفی، اسلامی فلسفہ حیات، اسلامی ادارے اور تہذیب و تمدن (ایس۔ ایم شاہد)

(۳ تا ۷) " " " " " "

(۸) صنعتی اور سائنسی علوم کی تعلیمی اہمیت و افادیت (مولانا سید ابوالحسن علی ندوی) تعمیر حیات ۱۰ دسمبر ۱۹۹۳ء

(۹) جدید سائنس اور اسکا مقصد وجود (ڈاکٹر نثار احمد فاروقی) ماہنامہ فکر و نظر، جولائی، ستمبر ۸۴

(۱۰) خلافت ارض کیلئے علم کیمیا اور طبیعیات کی اہمیت اور جدید صنعتی علوم کا تعارف (مولانا شہاب الدین ندوی) الحق ستمبر ۱۹۹۹